© rasailojaraid.com

مولانا محمد شہاب الدین ندوی
ناظم فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ (بنگلور)

بدعت اور شرک میں ایک قدم کا فاصلہ

قرآن اور حدیث کی روشنی میں ایک جائزہ

بدعت کیا ہے ؟ تو اس کی ایک تعریف یہ کی گئی ہے کہ شرعی امور میں ایسی کوئی چیز ایجاد کی جائے جو پہلے سے موجود نہ ہو اور اسے دین کا جزء سمجھا جائے اور اس کی ادائیگی پر اصرار کیا جائے ۔ مگر میرے نزدیک بدعت سنت کی ضد اور خدا کی نافرمانی کا نام ہے ، جو " حدود الٰہی" کو توڑنے کا باعث ہے ۔ واقعہ یہ ہے کہ بدعت شریعہ کا حلیہ بگاڑنے اور دین الٰہی کو مسخ کرنے والی چیز ہے ، اور بدعت کے ڈانڈے بسا اوقات " شرک " سے مل جاتے ہیں اور وہ " شرک فی الحکم " کے درجے میں آجاتی ہے، جسے اسلام نے ناقابل معافی جرم قرار دیتے ہوئے اس کی مذمت کی ہے اور خبردار کیا ہے کہ شرک کا ارتکاب کرنے والے کے سارے اعمال اکارت ہوجائیں گے اور وہ ابدی سزا کا مستحق بن جائے گا ، کیونکہ دین الٰہی میں سنت طریقوں کے خلاف نئی نئی چیزوں کو داخل کرکے اس کا حلیہ بگاڑنا درحقیقت خدا کی خدائی کو چیلنج کرنے کے برابر ہے اور یہ تمام باتیں قرآن مجید میں وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہیں اور احادیث میں بدعت کی سخت الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے اسے ایک سنگین جرم قرار دیا گیا ہے اور اس کا ارتکاب کرنے والوں کو اپنی آخرت کی خیر منانے کے لیے کہا گیا ہے ۔

علم دین کی تجارت :- مگر بعض لوگ اپنے انجام سے بے خبر ہوکر محض اپنے دینوی مفاد کے لئے دین میں نئی نئی چیزیں (بدعتیں) مختلف حلیوں بہانوں سے داخل کرکے انہیں دین کا جز بنادیتے ہیں اور جب یہ بدعتیں معاشرہ میں جڑ پکڑ لیتی ہیں تو وہ عوام کے لیے " سنت " کا درجہ اختیار کرلیتی ہیں ، جن کا ترک کرنا ان کے لیے دشوار ہوجاتا ہے ۔ لہذا جب ان سے کہا جاتا ہے کہ یہ بدعت ہے اور اسے ترک کرنا ضروری ہے تو انہیں محسوس ہوتا ہے کہ اسے ترک کرنے سے ہمارے باپ دادا کی کوئی " سنت " ضائع ہوجائے گی ۔ ؎ں طرح عوام کے لیے بدعت سنت اور سنت بدعت کا روپ دھار لیتی ہے اور بدعتوں کو ؍ ؎ج دینے والے بغیر کسی معقول دلیل کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہایت درجہ اوچھے طریقے سے عوام کی پیٹھ تھپکتے رہتے ہیں اور اس طرح وہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

چنانچہ آج اس میدان میں "علمائے سوء" نے عوام پر اپنا گھیرا تنگ کر رکھا ہے اور وہ محض دینوی اعراض کی خاطر عوام کے ایمان سے کھیل رہے ہیں اور انہیں ابدی طور پر جہنمی بنادینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ بعض حدیثوں میں صاف طور پر مذکور ہے کہ "فتنوں" کے دور میں علمائے شعرء اور گمراہ اماموں کا ظہور ہوگا، جو دین کے لئے ایک آفت ہوں گے۔ چنانچہ ایک حدیث میں مذکور ہے:

"میری امت کے لئے دجال سے زیادہ خوفناک لوگ گمراہ امام ہوں گے"

(مسند احمد، بحوالہ کنز العمال: ۱۰/ ۱۹۸)

ایک دوسری حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے علمائے سوء کے لیے خرابی ہے جو علم دین کو تجارت بنائیں گے۔ (کنز العمال: ۱۰/ ۲۰۵)

غلط قیاس کی خرابیاں:- اور ایسے لوگ غلط قیاس سے کام لے کر عوام کو گمراہ کرتے ہیں جس طرح کہ ابلیس لعین نے غلط قیاس سے کام لے کر اللہ کی نافرمانی کی تھی۔ چنانچہ اس کا قیاس یہ تھا کہ آگ مٹی سے افضل ہے، لہذا میں آدمؑ کو سجدہ کیوں کروں؟ حالانکہ حکم الٰہی کے مقابلے میں قیاس یا استدلال باطل ہے۔ اسی لیے امام ابن سیرینؒ نے فرمایا کہ "سب سے پہلا فرد جس نے (غلط) قیاس سے کام لیا وہ ابلیس تھا اور آفتاب وماہتاب کی پرستش بھی (غلط) قیاس ہی کی رو سے کی گئی ہے"۔ (سنن دارمی: ۱/ ۶۵)

چنانچہ آج کل کے علمائے سوء بھی لوگوں کو قیاس ہی کی رو سے بہکاتے اور انہیں مغالطے دیتے ہیں اور بدعتوں کے جواز میں ان لوگوں کا استدلال اس طرح ہوتا ہے کہ جب دین میں نئی باتیں ناجائز ہیں تو پھر نئی نئی ایجادات کا استعمال بھی ناجائز ہونا چاہئیے، یعنی وہ چیزیں جو تمدن جدید نے پیدا کی ہیں، جیسے موٹر، ہوائی جہاز، کار، ریل، ٹیلیفون، ریڈیو اور بجلی کی اشیاء وغیرہ وغیرہ تو ظاہر ہے کہ یہ ایک بہت بڑا مغالطہ ہے جو غلط قیاس پر مبنی ہے۔ شرعی امور کو تمدنی معاملات پر قیاس کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اب ہر شخص آزاد ہے کہ وہ محض اپنی "صوابدید" کے مطابق جس کام کو بھی اچھا سمجھتا ہو اسے دین میں داخل کرکے اسے دین کا ایک لازمی حصہ بنادے اور لوگوں سے یہ کہے کہ اگر میری بات غلط ہے تو پھر تم کو موٹر یا کار میں بیٹھنے اور ہوائی جہاز میں سفر کرنے کا بھی کوئی حق نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ان چیزوں کا وجود دور رسالت میں نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ایک الٹی منطق ہے، جسے کوئی بھی سنجیدہ شخص قبول نہیں کرسکتا۔ اور اس قسم کا جادو صرف عوام پر ہی چل سکتا ہے۔

شریعت اور تمدن کی راہیں الگ الگ:- یہ مغالطہ اس لیے پیش آیا کیونکہ شریعت اور تمدن کو ایک درجے کی چیز سمجھ لیا گیا۔ جب کہ یہ دونوں نہ صرف الگ الگ ہیں بلکہ ان کی نوعیت بھی بالکل جدا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم ارض میں دو قسم کے علوم جاری کئے ہیں: ایک علم شریعت اور دوسرے علم تکوین، یعنی علم فطرت۔ اول کا تعلق دین سے اور دوسرے کا تعلق دنیا سے ہے۔ اور اسے "معاد" اور "معاش" بھی کہا جاسکتا ہے۔ دین کے معاملے میں بندہ پابند ہے مگر وہ دنیوی یا معاشی میدان میں چند حدود وقیود کے ساتھ آزاد ہے۔ چنانچہ علم اول کے بارے میں اہل اسلام کو حکم دیا کہ وہ رسولؐ کی پیروی کریں، مگر علم ثانی کے بارے میں چند ہدایات کے ساتھ انہیں آزاد چھوڑدیا اور فرمایا کہ وہ نظام کائنات میں آزادانہ طور پر غور خوض کرکے دینوی اشیاء سے استفادہ کریں اور خدائے مہربان کی نعمتوں سے فائدہ اٹھائیں۔ قرآن مجید میں ان دونوں باتوں کو پوری وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جس میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں ہے۔ چنانچہ متعدد مقامات پر صراحت موجود ہے کہ: "اسی نے زمین میں جو کچھ بھی موجود ہے وہ تمھارے لئے پیدا کیا ہے"۔ (بقرہ: ۲۹)

نیز ارشاد باری ہے: "کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے زمین اور اجرام سماوی کی تمام چیزیں تمھارے کام میں لگا رکھی ہیں اور تم اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کردی ہیں؟" (لقمان: ۲۰)

اس اعتبار سے تمدن جدید کے تحت جو نئی نئی ایجادات منظرعام پر آرہی ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں جن سے استفادہ بالکل جائز ہے، کیونکہ یہ کائنات اور اسمیں موجود تمام فوائد اللہ نے انسان ہی کے لئے پیدا کی ہیں، اور انسان ان اشیاء میں غوروخوض کرکے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو کھوج نکالتا ہے اور اپنے تمدن کو بہتر سے بہتر بناتا ہے۔ اور شرعی اعتبار سے اس میں کسی قسم کی مخالفت نہیں ہے۔ بلکہ شرعاً یہ راستہ انسان کے لئے پوری طرح کھلا ہوا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ: "تم اپنے دنیوی معاملہ کو خود بہتر طور پر سمجھ سکتے ہو۔ (صحیح مسلم: ۴/ ۱۸۳۶)

قیاس فاسد کی فتنہ انگیزی:- اس لحاظ سے شریعت اور تمدن یا دین اور دنیا دو الگ چیزیں ہیں، جن میں کوئی مشابہت نہیں ہے۔ لہذا ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ ورنہ غلط قیاس کا سہارا لے کر ایک کا حلیہ بگاڑا جاسکتا ہے۔ اسی لئے امام شعبیؒ سے مروی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ: " واللہ اگر تم قیاس (فاسد) سے کام لوگے تو پھر حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر بیٹھو گے"۔ (سنن داری: ۱/ ۶۵)۔ واضح رہے کہ دین میں "قیاس صحیح" کی بہت زیادہ اہمیت ہے اور نئے نئے مسائل میں اجتہاد کا دارومدار قیاس صحیح پر ہی موقوف ہے، اور شریعت میں اس کے اصول وضوابط مقرر ہیں، جن کو ملحوظ رکھنا اجتہاد کے لیے بہت ضروری ہے۔ مگر گمراہ لوگ حق اور باطل کو گڈمڈ کرنے کی غرض سے "قیاس" کے نام پر قیاس فاسد سے کام لیتے ہیں، جو دین میں بہت مذموم ہے۔ شرعی مسائل میں قیاس کے لئے "شرعی دلیل" کی ضرورت پڑتی ہے، بخلاف تکوینی یا تمدنی مسائل کے۔

حکم صرف اللہ کا:- غرض شریعت اور تمدن میں زمین وآسمان کا فرق ہے اور ان دونوں کو ایک سطح پر رکھ کر مغالطوں یا جھانسوں سے کام لینا دین میں نہایت درجہ مذموم حرکت ہے۔ شرعی امور ومسائل میں ایک مسلمان کسی بھی طرح آزاد یا بے مہار نہیں ہوسکتا۔ بلکہ وہ حکم الٰہی کا ہر حال میں پابند رہے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے: " آگاہ رہو کہ پیدا کرنا اور حکم چلانا صرف اللہ ہی کے لیے سزا وار ہے۔ وہ بڑا ہی بابرکت ہے جو سارے جہاں کا رب ہے۔" (اعراف: ۵۴)

ایک دوسری جگہ مذکور ہے: " حکم صرف اللہ ہی کا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ تم اسی کی بندگی کرو۔ یہی سیدھا طریقہ ہے۔ (یوسف: ۴۰)

شریعت میں ارتقا نہیں ہے:- اس لحاظ شرعی امور اور معاملات زندگی میں ہر مسلمان ہمیشہ اور ہر حال میں خدائی ضابطہ کا پابند ہے، جس سے وہ سرتابی نہیں کرسکتا۔ کیونکہ " مسلم " کے معنی ہی فرمانبردار کے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی مسلمان خدائی ضابطہ سے راہ فرار اختیار کرنے کی کوشش کرے تو وہ مسلم نہیں رہے گا۔

شریعت اور تمدن میں ایک اور بڑا فرق یہ بھی ہے کہ تمدن ایک ارتقا پذیر چیز ہے۔ جب کہ اس کی برعکس شریعت اور اس کے احکام میں " ارتقا" کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ تمدنی مسائل میں انسان کو چھوٹ دے گئی ہے کہ وہ اپنا نظام تمدن جس طرح مناسب سمجھے چند حدود کے اندر رہ کر چلاتا رہے، مگر اس کے برعکس شرعی امور میں ".جمود" ہے، کیونکہ خدائی احکام " ناقابل تغیر" ہوتے ہیں۔ جن پر ہر حال میں قائم رہنا ضروری ہے۔ " قانون الٰہی" میں تبدیلی یا ترمیم واضافہ کا اختیار تو خود اللہ کے رسولؐ کو بھی نہیں تھا۔ ___ اور شمار کا کیا حساب چنانچہ اس سلسلے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے اس طرح کہلوایا گیا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

" کہدو کہ اس (کلام) کو اپنی طرف سے بدل کردینا میرا کام نہیں ہے۔ میں تو صرف اس بات کی پیروی کرتا ہوں کہ جو میرے پاس بذریعہ وحی بھیجی جاتی ہے۔ " (یونس : ۱۵)

شریعت اور بدعت کا ایک اصولی فرق :- لہذا اصولی اعتبار سے حقیقت یہ ہے کہ دین وشریعت میں اصل قانون ساز صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اور رسول دین الٰہی کا محض " شارح " ہے " شارع " (قانون ساز) نہیں۔ چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سلسلے میں جو فریضہ سپرد کیا گیا تھا وہ کتاب اللہ کی وضاحت سے تعلق رکھتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں یہ بات صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔ مثال کے طور پر ایک جگہ ارشاد ربانی ہے: " اور ہم نے یہ قرآن تیرے پاس اس لئے بھیجا ہے تاکہ تو لوگوں کے لیے اس کے مضامین کی وضاحت کردے "۔ (نحل : ۴۴)

اس اعتبار سے سنت نبویؐ اپنے تمام اقوال وافعال سمیت قرآن کا " وضاحت نامہ " ہے جیسا کہ علمائے محققین کی رائے ہے۔ چنانچہ خود بعض احادیث میں مذکور ہے کہ تم میری سنتوں کی جانچ کیلئے انہیں کتاب الٰہی سے ملاکر دیکھ لو اور اگر وہ اسکے موافق ہوں تو انہیں قبول کرلو۔

(کنزالعمال : ۱/ ۱۷۹) ۔ اس موقع پر یہ حقیقت بھی واضح رہے کہ علماء اور فقہاء قرآن اور حدیث کی روشنی میں جو دینی احکام ومسائل مرتب کرتے ہیں اس کے دو طریقے ہیں : پہلا طریقہ استنباطی ہے اور دوسرا اجتہادی۔ استنباط کا مطلب یہ ہے کہ قرآن اور حدیث میں جو احکام مذکور ہیں ان کی وضاحت کرنا اور انہیں مرتب کرکے عوام کے سامنے پیش کرنا، اور اجتہاد کا مطلب یہ ہے کہ نئے مسائل کا حل قرآن اور حدیث کی روشنی میں " قیاس " کے ذریعہ معلوم کرنا۔ اور یہ دونوں طریقے دلیل واستدلال کے ذریعہ عمل میں آتے ہیں اور ان کے اصول وضوابط مقرر ہیں، اور یہ ایک مستقل علم ہے جس کو " اصول فقہ " کہا جاتا ہے۔

لہذا جو بات استنباطی اور اجتہادی طریقے سے ثابت ہو وہ " شریعت کی بات " ہے اور جو اس کے خلاف ہو وہ دین میں " بدعت " ہے۔ کیونکہ دین میں ایسی کوئی بھی بات قابل حجت نہیں ہوسکتی جس کے کوئی " اصل " قرآن وحدیث میں موجود نہ ہو یا وہ اجماع امت کے خلاف ہو۔ اس اعتبار سے ہر " نئی بات " کے لیے دلیل واستدلال کی ضرورت ہے، ورنہ وہ چیز مردود ہوگی اور لعنت کا باعث بھی۔

سنت اور فقہ کی حقیقت :- اس بحث سے بخوبی ظاہر ہوگیا کہ شرعی نقطہ نظر سے اصل قانون ساز صرف اللہ تعالیٰ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شریعت الٰہی کے شارح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ اور فقہائے کرام کتاب وسنت کی تشریح کرنے والے، نہ کہ قانون ساز۔ چنانچہ اس سلسلے میں امام شافعیؒ کا قول ہے کہ: "امت جو کچھ بھی کہتی ہے وہ سنت کی شرح ہے اور پوری سنت قرآن کی شرح ہے"۔ (الاتقان: ۲/۱۶۰)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سنت قرآن کے اجمالی بیانات کی شرح کرتی ہے اور فقہ سنت کے ابہامات کو دور کرتی اور مختلف احادیث میں تطبیق دیتی ہے۔ اور یہ سب دلیل واستدلال کے ذریعے عمل میں آتا ہے۔ چنانچہ دین الٰہی کی بنیاد دلیل واستدلال پر ہی ہے۔ الل ٹپ یا خود سری پر نہیں۔

خدا کی خدائی کو ایک چیلنج:- غرض جو لوگ بغیر کسی دلیل کے دین میں کوئی نئی چیز من مانی طور پر داخل کرنا چاہتے ہیں تو وہ دین الٰہی میں بطور "قانون ساز" خود بھی شامل ہونا چاہتے ہیں، اور خدائی قانون سے اس قسم کا "انحراف" جب حد سے زیادہ ہوجاتا ہے تو پھر وہ "شرک" کی حد میں داخل ہوجاتا ہے، جو ایک سنگین جرم ہونے کی بنا پر خدا کی خدائی کو چیلنج کرنے کے برابر ہے۔ بدعت ایک "بے اصل" اور "بے دلیل" چیز ہے جو شریعت کے مقررہ حدود سے قدم باہر نکالنے کا نام ہے۔ اور اس کا دوسرا قدم شرک کی طرف لے جاتا ہے جو ایک ناقابل معافی جرم ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اللہ یقیناً اس کا شریک کئے جانے پر (کسی کو) معاف نہیں کرے گا۔ اور شرک کے سوا دوسرے گناہوں کو جسے چاہے معاف کر دے گا۔ اور جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا اس نے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا"۔ (نسا: ۴۸)

شرک کی متعدد قسمیں:- اس موقع پر یہ حقیقت خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہئیے کہ شرک کا صرف یہی مطلب نہیں ہے کہ غیراللہ کی عبادت کی جائے یا دیوی دیوتاؤں کے سامنے سر جھکایا جائے، بلکہ شرک کی کئی قسمیں ہیں۔ غیراللہ کی عبادت کرنا تو شرک کی سب سے زیادہ سخت قسم ہے۔ مشرکین عرب بھی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے قائل تھے۔ یعنی اسے اس کائنات کا خالق اور مدبر مانتے تھے۔ مگر وہ عبادت میں دوسرے معبودان باطل کو بھی شریک ٹھہراتے تھے۔ اسی طرح اپنی ضروریات میں غیراللہ سے بطور عقیدہ استعانت طلب کرنا بھی شرک کی ایک قسم ہے۔ نیز شرک کی ایک اہم قسم یہ بھی ہے کہ علماء اور مشائخ کی مطلقاً پیروی کی جائے اور وہ جس چیز کو حلال قرار دے دیں اسے حلال اور جس چیز کو حرام قرار دے دیں اسے حرام مان لیا جائے۔ اگرچہ خدا کے احکام اس کے خلاف ہوں۔ اس جرم کا ارتکاب یہود ونصاریٰ نے کیا تھا۔ (ماخوذ از حجۃ اللہ البالغۃ (۱/۶۳)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علماء کو خدا کا درجہ دینے کی بیماری:- یہود و نصاریٰ کے اس جرم کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن مجید میں اس فعل کو خدا کی خدائی میں شریک یعنی "ساجھے داری" کا نام دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے: "انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو اپنا خدا بنالیا تھا"۔ (توبہ: ۳۱) چنانچہ بعض احادیث میں مذکور ہے کہ اس آیت پر عدی بن حاتمؓ نے (جو اس وقت عیسائی تھے) اعتراض کیا تھا کہ اہل کتاب نے اپنے علماء کو معبود تو نہیں قرار دیا تھا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ ہاں ضرور بنایا تھا۔ کیونکہ انہوں نے اپنے عوام کے لیے اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال اور اس کی حلال کردہ چیزوں کو حرام بنادیا تھا، اور اس باب میں عوام نے اپنے عالموں کی پیروی کی۔ (دیکھئے تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۳۴۸)

امام رازیؒ نے اس آیت کریمہ پر بحث کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ اکثر مفسرین کے قول کے مطابق اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اہل کتاب نے اپنے علماء اور مشائخ کو اپنا معبود بنا لیا تھا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اوامرونواہی میں ان کی اطاعت کی تھی۔ وہ جو کچھ کہتے تھے اس کی پیروی کرتے تھے۔ (تفسیر کبیر: ۱۶/ ۲۸)۔ غرض قرآن اور حدیث کی رو سے کسی کی مطابق پیروی کرنا بھی خدا کی خدائی میں کسی دوسرے کو شریک یعنی حصہ دار ٹھہرانا ہے۔

ایک عبرتناک حقیقت:- نیز امام رازیؒ نے اس موقع پر اہل کتاب کی گمراہی کی نوعیت پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اہل کتاب کو اپنی کتابوں میں مذکور احکام اپنے علماء و مشائخ کے اقوال کے خلاف بھی ملتے تھے، مگر وہ کتاب الٰہی کے مقابلے میں اپنے علماء کے اقوال ہی قبول کرتے تھے۔ پھر اس کے بعد لکھتے ہیں کہ میں نے اس سلسلے میں خود اپنی امت کی ایک جماعت کو دیکھا جو فقہاء کے مقلد تھے اور ان کے سامنے میں نے بعض مسائل میں کتاب اللہ کی بہت سی آیتیں پڑھ کر سنائیں، جو ان کے مسلک کے خلاف تھیں۔ مگر انہوں نے (اپنے فقہاء کے مقابلے میں) ان آیات کو قبول نہیں کیا اور ان کی طرف مطلق توجہ نہیں کی۔ بلکہ وہ تعجب کے ساتھ میری طرف دیکھنے لگے۔ یعنی ان ظاہری آیات پر عمل کس طرح ہوسکتا ہے جب کہ ہمارے سلف کی روایات ان کے خلاف وارد ہوئی ہیں۔ پھر تحریر کرتے ہیں کہ اگر تم صحیح معنی میں غور کروگے تو دیکھوگے کہ یہ مرض اکثر اہل دنیا کے رگ و ریشے میں سرایت شدہ معلوم ہوتا ہے۔ (تفسیر کبیر: ۱۶/ ۳۹)۔ اس اعتبار سے یہ ایک عالمگیر وبا نظر آتی ہے جو آج خود اہل اسلام میں بھی بخوبی پائی جارہی ہے۔ چنانچہ آج انسان ایک دوسرے کا "بندہ" بنا ہوا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دکھائی دیتا ہے۔ " خدایان امر" ہر ملت اور ہر طبقے میں عوام پر چھائے ہوئے ہیں اور اپنی من مانی کررہے ہیں۔ دین واخلاق کے تقاضے پس پشت ڈال دئے گئے ہیں اور ہر ایک دوسرے کو نوچنے اور بھنجوڑنے میں لگا ہوا ہے۔

یہود و نصاریٰ کی پیروی:- بعض احادیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم لوگ اگلی قوموں کے طریقوں کی ہو بہو پیروی کروگے۔ یہاں تک کہ اگر وہ لوگ گوہ (ایک جانور) کی بل میں بھی داخل ہوئے ہوں تو تم بھی ضرور داخل ہوجاؤ گے۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ رسول اللہ کیا یہ لوگ یہود ونصاریٰ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا پھر کون؟ (مسلم: ۴/ ۲۰۰۵) ۔ دین الٰہیٰ کو بگاڑنے کے سلسلے میں یہود ونصاریٰ نے جو بھی کار ستانیاں انجام دی تھیں وہ سب آج ملت اسلامیہ میں بھی پائی جارہی ہیں۔ چنانچہ قرآن عظیم میں ایک مقام پر یہود و نصاریٰ کی اس روش اور ان کی کارستانی کی ایک تصویر سورۃ بقرہ میں اس طرح کھینچی گئی ہے کہ یہ لوگ تھوڑے سے دنیوی فائدے کے لیے اللہ کے احکام کو چھپایا کرتے ہیں اور ایسے لوگ اپنے پیٹوں میں سوائے آگ کے اور کچھ بھی نہیں بھرتے۔ ایسے لوگوں سے اللہ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا بلکہ ان کو درد ناک عذاب دے گا۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی اور مغفرت کے بدلے عذاب کا سودا کیا ہے، اور اس اعتبار سے یہ لوگ دوزخ میں جانے کے لئے کس قدر ڈھیٹ ہیں۔ (خلاصہ از سورۃ بقرہ، آیات: ۱۷۴۔ ۱۷۵)

رسول بھی مختار کل نہیں ہوتا:- یہ باتیں اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کی عبرت وبصیرت کے لئے بیان کی تھیں، تاکہ مسلمان ان سے سبق حاصل کریں۔ مگر آج خود مسلمان بھی ان خدائی اسباق کو فراموش کرکے وہی سب کرنے لگے ہیں جو اہل کتاب کیا کرتے تھے۔

اللہ کے بندوں کو اللہ کی بندگی سے ہٹاکر اپنے بندے بنالینے کا اختیار تو کسی عالم یا لیڈر تو کجا خود کسی رسول کو بھی نہیں تھا۔ بلکہ وہ خود بھی حکم الٰہیٰ کا اسی طرح پابند ہوا کرتا ہے جس طرح کہ رسول کا تابعدار یا امتی ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف اور دو ٹوک انداز میں اعلان فرما دیا ہے: " کسی انسان کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ اللہ اسے کتاب، حکمت اور نبوت عطا کرے تو وہ لوگوں سے یہ کہنے لگ جائے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ لیکن اسے صرف اتنا ہی کہنے کا اختیار ہے کہ تم اللہ والے بن جاؤ، کیونکہ تم کتاب (الٰہیٰ) کی درس و تدریس کرتے ہو"۔ (آل عمران: ۷۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ظاہر ہے کہ جب کسی نبی تک کو کتاب الہیٰ سے ہٹنے اور اپنی مطلق العنانی چلانے کی اجازت نہیں ہے ، بالفاظ دیگر خدا کی خدائی کے مقابلے میں اپنی خدائی منوانے کا اختیار نہیں ہے تو پھر ایسا اختیار ہرایرے غیرے اور نتھو خیرے کو کیسے مل سکتا ہے ؟

رسولوں کی ایک تنبیہ :- واقعہ یہ ہے کہ عوام تو عوام خود رسول تک کو بھی بندگی کے "حدود" سے آزاد ہونے کی مطلق اجازت نہیں ہے ۔ لہذا جن لوگوں کے ذہنوں میں یہ غلط تصور ہو کہ رسول بھی خدا ہی کی طرح جو چاہے کرسکتا ہے تو انہیں اپنے دل ودماغ سے اس تصور کو نکال دینا چاہئیے ۔ چنانچہ اس سلسلے میں رسول تک کو حکم دیا گیا ہے کہ اگر اس نے خدا کی خدائی میں کسی کو شریک کیا تو اس کے تمام اعمال ضائع ہوجائیں گے ۔ اور یہی حکم بلا استثناء سابقہ تمام انبیائے کرام کو بھی دیا گیا تھا ۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے : " آپ کے پاس وحی بھیج دی گئی ہے اور آپ سے پہلے گزرے ہوئے (پیغمبروں) تک بھی کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمھارے سارے اعمال برباد ہوجائیں گے اور تم خسارے میں رہ جاؤ گے ۔ " (زمر: ٦٥)

یہ تنبیہ رسولوں کے واسطے سے دراصل امتوں کو ہے کہ رسول جیسے برگزیدہ اور مقدس ہستیوں سے خلاق عالم جب اتنے صاف اور کھرے کھرے انداز میں خطاب کررہا ہے تو پھر علماء اور عوام وغیرہ کس شمار میں آتے ہیں ؟ لہذا ہر ایک کو اپنے حدود میں رہنا چاہئیے ۔

توحید خالص کا مطالبہ :- نیز اس سلسلے میں سورۃ انعام کا ١٦ واں رکوع ملاحظہ فرمائیے جہاں پر اللہ تعالیٰ نے متعدد پیغمبروں کا تذکرہ کرنے کے بعد صاف فرمادیا ہے کہ اگر یہ لوگ شرک کے مرتکب ہوئے تو ان کے اعمال ضائع ہوجاتے ۔ (دیکھئے آیات : ٨٤ ۔ ٨٨) ۔ اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے چونکہ پیغبر خدا کے مقدس بندے اور رسول ہوتے ہیں ، جو کامل اطاعت وفرمانبرداروں کا نمونہ ہوتے ہیں ۔ لہذا ان جیسی خدا رسیدہ ہستیوں سے شرک سے اجتناب کرنے کا مطالبہ کیا معنی رکھتا ہے ؟ تو یہ خطاب بھی دراصل رسولوں کے واسطے سے امتیوں کو ہے اور اس طرز خطاب سے اصلاً شرک کے مقابلے میں خالص توحید کی اہمیت ظاہر کرنا مقصود ہے ، اور توحید خالص کا مطلب یہ ہے کہ ایک مومن و مسلم کے عقیدے میں شرک کا کوئی شائبہ تک نہ ہو اور وہ توحید کے عقیدے کو ہر قسم کی گندگیوں اور آلودگیوں سے پاک رکھے ۔ اسی کا نام شریعت کی زبان میں " اخلاص فی العبادۃ " ہے ، یعنی عبادت وبندگی کو اللہ کے لیے خالص کرنا ۔ اور اس کا نام "حنیفیت" بھی ہے ، یعنی ہر قسم کی گمراہی سے نکل کر استقامت کی طرف مائل ہونا ، چنانچہ حسب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذیل آیت کے مطابق اہل اسلام سے اسی قسم کا خالص توحیدی عقیدہ اختیار کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے اور انہیں صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی بندگی، دین کو اسی کے لیے خالص رکھتے ہوئے اور پوری طرح یکسو ہوکر کریں۔ پھر نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کرتے رہیں۔ یہی سیدھا طریقہ ہے" (بینہ: ۵)۔ یہ ہے خالص توحید اور خالص دین کا مطلب جو عنداللہ ہر کلمہ گو سے مطلوب ہے اور یہ عقیدہ نظریاتی طور پر اور عملی زندگی میں دونوں طرح سے ایک آئیڈیل کے طور پر پیش نظر رہنا چاہیئے۔ لہذا ہر مسلمان کو کوشش کرنا چاہئیے کہ وہ اس مقام مطلوب تک پہنچے اور اللہ کا صحیح اور سچا بندہ بنے۔ ایک دوسرے موقع پر اسی قسم کے مثالی عقیدہ اور مثالی عمل کا مظاہرہ کرنے کی تاکید اس طرح کی گئی ہے: "حکم کرنا صرف اللہ کا کام ہے۔ چنانچہ اس نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی دوسرے کی عبادت مت کرو۔ یہی "دین قیم" (سیدھا راستہ) ہے۔ لیکن بہت سے لوگ (اس حقیقت سے) واقف نہیں"۔ (یوسف: ۴۰)

بدعت خدا کی خدائی کے لئے ایک للکار:- اس موقع پر "عبادت" اور "دین" کا صحیح مطلب سمجھ لینا چاہئیے۔ جن کا تذکرہ اوپر مذکوردونوں آیتوں میں آیا ہے اور اس ملاحظہ سے اس سلسلے کی تمام غلط فہمیاں بھی دور ہوسکتی ہیں۔ نیز اس بحث سے شریعت اور بدعت کا فرق اور اس کی حقیقت بھی پوری طرح سامنے آجاتی ہے۔ چنانچہ عبادت کے دو معنی آتے ہیں۔ (۱) اظہار عجز (۲) اور اطاعت وبندگی۔ اور دین کا اصل مفہوم طاعت ہے جو شریعت کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ (دیکھئے مفردات القرآن، لسان العرب اور تاج العروس)۔ اس اعتبار سے صرف اللہ کی عبادت کرنے اور دین کو اسی کے لیے خالص رکھنے کا مطلب یہ ہوا کہ صرف نماز، روزے کی حد تک نہیں بلکہ پوری شریعت اور جملہ معاملات زندگی میں اللہ کی اطاعت وبندگی کی جائے اور اس کی بندگی میں کسی دوسرے کو شریک نہ کیا جائے۔

لفظ "عبادت" ہی سے "عابد" اور "عبد" دو الفاظ نکلے ہیں۔ عابد کے معنی ہیں: عبادت کرنے والا اور عبد کے معنی ہیں بندہ یا غلام۔ اور یہ دونوں الفاظ اللہ کی عبادت کرنے اور اس کا بندہ رہنے پر دلالت کرتے ہیں، جو انتہاء درجے کی اطاعت کے طالب ہیں۔ اس اعتبار سے جو شخص دین میں بدعت نکالتا ہے وہ گویا کہ اللہ کی "اطاعت" سے نکل کر اس کی "نافرمانی" کا راستہ اختیار کرتا ہے، یا اپنی عبدیت وغلامی سے "آزاد" ہوجانا چاہتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ بجائے "اظہار عاجزی" کے (جو عبادت اور عبودیت کا خاصہ ہے) "مغروری" کی راہ اپناتا ہے۔ بالفاظ دیگر "عابد" اور "عبد"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہنے کے بجائے عبودیت کی ساری حدوں کو توڑ کر اپنے "معبود" ہونے کا اعلان کرتا ہے، جو ایک سنگین جرم ہے۔ غرض یہ کہ ایک "بدبختی" اللہ کا "بندہ" نہیں رہتا، بلکہ اپنی خود مختاری اور بے مہاری کا اعلان کرتا ہے۔ جو اسے کسی بھی طرح زیب نہیں دیتا۔ کیونکہ وہ خدا کی مملکت میں رہتا ہے۔ خدا کا عطا کردہ رزق کھاتا ہے اور خداوندکریم کی نعمتوں سے مستفید ہوتا ہے۔ تو پھر اس کیلئے کسی بھی طرح یہ بات جائز نہیں ہوسکتی کہ وہ خدائے عظیم کے قلمرو میں رہ کر اپنی انانیت اور خود مختاری کا اعلان کرے اور خلق خدا کو مختلف حیلوں بہانوں سے بہکانے کے کوشش کرے اور اس طرح وہ نہ صرف اپنے گناہوں کا بلکہ مخلوق خدا کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائے گا۔

<u>ایک خدا کی بندگی کا مطلب</u> :- حاصل بحث یہ کہ اس کائنات کا صرف ایک ہی "حکم" اور ایک ہی "آمر" ہے۔ اور ایک خدا کی بندگی کا مطلب یہی ہے کہ صرف اللہ ہی کو حاکم مانا جائے۔ یعنی حکم کرنے والا وہی ایک ہستی ہے اور اسکے اس "حکم" میں کوئی اسکا شریک وسہیم نہیں ہوسکتا۔ اور یہ "توحید فی الحکم" ہے اسکے برعکس کسی دوسری ہستی کو "حکم" میں شریک کرنا "شرک فی الحکم" ہے، جس کو اسلام نے ممنوع قرار دیا ہے۔ غرض اس کائنات میں طبعی نقطہ نظر سے جسطرح اللہ کی حکمرانی اور قہرمانی چل رہی ہے اسی طرح شرعی اعتبار سے بھی پوری دنیائے شریعت میں اس کا حکم اور کا "امر" چلتا رہے، اور جو کوئی امرالٰہی یا اللہ کی "ردائے کبریائی" میں شامل ہونا چاہے گا وہ مشرک ہونے کی بناء پر عنداللہ ذلیل وخوار کیا جائے گا۔ یہ ہے

"لاالہ الااللہ" کا صحیح مفہوم کہ وہی ایک برتر اور عالی صفات ہستی ہے جو اس کائنات کے تمام تکوینی (طبعی) اور تشریعی جہانوں پر حکمران ہے اور "حکم کرنا" اسی کیلئے سزاوار ہے۔ یہی مطلب ہے حسب ذیل آیت کریمہ کا۔ "آگاہ رہو کہ پیدا کرنا اور حکم چلانا اسی کا کام ہے۔ اور وہ بڑا ہی بابرکت ہے جو سارے جہاں کا رب ہے۔ (اعراف: ۵۴)

عقیدہ توحید کی صحیح تطبیق سے تکوین وتشریع یا فطرت وشریعت میں توازن قائم ہوتا ہے اور دونوں جہانوں کا "راگ" مشترک ومتحد ہوجاتا ہے۔ مگر بدعت یا خدا کی نافرمانی اور اسی طرح الحاد ومادیت کے باعث توحید کی اس "نغمہ سرائی" میں فرق آجاتا ہے، جو غضب الٰہی کو دعوت دینے والی ایک حرکت اور ناقابل معافی جرم ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ شرک وکفر سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی چیز مبغوض نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے خدا کی عظمت وجلال پر حرف آتا ہے۔ اسی لئے اس فعل شنیع کو قرآن مجید میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ناقابل معافی جرم قرار دیا گیا ہے اور اس کی سخت الفاظ میں مذمت کی گئی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں چند آیات ملاحظہ ہوں:

" جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو اللہ اس کے لئے جنت حرام کردے گا، اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔ " (مائدہ: ۷۲)

" تم اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ "۔ (نساء: ۳۶)

" تم خالص اللہ کے ہوکر رہو اور مشرک مت بنو "۔ (حج: ۳۱)

" کہدو کہ مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی بندگی کروں اور کسی کو اس کا شریک (ساتھی) نہ ٹھہراؤں۔ میں تو اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کے پاس میرا ٹھکانہ ہے۔" (رعد: ۳۶)

مسلمان اپنے اعمال کا جائزہ لیں:- اس بحث سے بخوبی واضح ہوگیا کہ بدعت دراصل خدا کا بندہ بننے سے انکار اور اسکی نافرمانی کا نام ہے، جو ہر اعتبار سے قابل مذمت ہے اور بدعتی لوگ خدا کی مغفرت سے محروم اور دائمی عذاب کے مستحق ہوں گے۔ قرآن اور حدیث میں یہود ونصاریٰ کی جو گمراہیاں کھول کھول کر بیان کی گئی ہیں وہ دراصل ہماری عبرت و بصیرت کے لئے ہیں تاکہ ہم انکے عبرتناک واقعات سے سبق حاصل کریں اور ایک خدا کی عبادت وبندگی کریں۔ لہذا مسلمان اپنے اعمال وافعال کا جائزہ لے کر دیکھیں کہ کہیں وہ ایک خدا کی عبادت وبندگی سے نکل کر " متعدد خداؤں " کی بندگی تو نہیں کررہے ہیں اور دین سے نکل کر " بے دینی " کی راہ پر تو نہیں جارہے ہیں؟ الغرض بدعت اور شرک میں صرف ایک قدم کا فاصلہ ہے۔ جب کوئی شخص شریعت الہیٰ کی مقررہ حدود سے باہر قدم نکالتا ہے تو وہ بھٹکتا ہی چلا جاتا ہے اور باالآخر وہ گویا کہ اپنے آپ کو " حاکم مطلق " سمجھنے لگ جاتا ہے۔ گویا کہ وہ بھی خدا کی خدائی میں " شریک " ہے۔ اس طرح وہ شرک کا مرتکب بن کر گمراہی مول لیتا ہے اور مخلوق خدا کو بھی گمراہ کردیتا ہے۔ مگر یہ کائنات کوئی " کمپنی " نہیں ہے جس میں بہت سے " پارٹنرز " (شریک) ہوں۔ بلکہ یہ سارا جہاں ایک " وحدت " (یونٹی) ہے جسمیں اللہ وحدہ لاشریک کے علاوہ کسی دوسرے کی " ساجھے داری " نہیں ہے۔ نہ صفت " تخلیق " میں اور نہ صفت " حکم " میں۔ یعنی جس طرح صفت تخلیق اللہ تعالیٰ کا خصوصی فعل ہے جس میں اس کا کوئی " حصہ دار " نہیں ہے اس طرح صفت " حکم " میں بھی اس کا کوئی ساجھے دار نہیں ہونا چاہئیے۔ اور جس کسی نے حکم الہیٰ میں ساجھے دار بننے کی کوشش کی وہ اپنی عاقبت سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ " اور جس نے بھی شرک کا ارتکاب کیا تو وہ بہت بڑی گمراہی میں پڑگیا۔ " (نساء ۱۱۶)

© rasailojaraid.com